R. No. 2186/57

Regd. No. L 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date 1-8-15-22

Phone—29
Annual Rs. 4/-
per Copy-12

جلد ۲۶- شمارہ ۴۸ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۲۲/ دسمبر ۱۹۶۷ء

اداریہ

ایک تلخ حقیقت

جب کسی فرد یا جماعت میں احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے اوپر اعتماد نہیں کرتی بلکہ دوسروں کی طرف دیکھنے لگتی ہے۔ اردو دوست اسی احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔ یہ مانا کہ ریاستی حکومتوں نے بہت سی سیاسی پارٹیوں نے اور ملک کی اکثریت نے آزادی کے بعد اردو کے حقوق کو یا تو نظر انداز کیا ہے یا ان کی پامالی کی ہے، مگر خود اردو دوستوں نے اردو کو جس طرح نظر انداز کیا ہے یا اردو کے حقوق کی پامالی کی ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہماری زبان کے صفحات میں ہم اس تلخ حقیقت کی طرف اکثر توجہ دلاتے رہے ہیں اور اس پر بعض لوگوں نے ہم پر اعتراض بھی کیا ہے، مگر ہم جانتے ہیں کہ سچ کڑوا ہوتا ہے اور ہمارا کہنا آج کل کی روش کے خلاف بھی ہے کیونکہ آج کل مقبولیت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ دوسروں کو الزام دیا جائے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا جائے۔

اردو دوستوں نے آزادی کے بعد سے اب تک زیادہ تر اردو کے حقوق کی پامالی کے سلسلے میں احتجاج کو کافی سمجھا اور احتجاج بھی اخباروں یا جلسوں یا وفود کے ذریعے سے کیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ان کا جمہوری حق تھا اور وہ اپنے حق کو استعمال کر رہے تھے لیکن افسوس یہ ہے کہ انھوں نے اسی کو سب کچھ سمجھا۔ اس پر غور نہیں کیا کہ یہ تو صرف ایک ذریعہ ہے، اردو کو اس کا حق دلانے کے اور ذرائع بھی ہیں اور ہمیں تمام ذرائع کو استعمال کرنا ہے۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ اردو کو اپنی مادری زبان کہتے ہیں، یا جو اردو جانتے ہیں اور اردو لکھتے پڑھتے ہیں یا جو اردو کی قدر کرتے ہیں اور اس کے ادب سے معترف ہیں ان کے بھی کچھ فرائض ہیں۔ پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے طور پر اردو کے لیے کچھ کریں۔ جو لوگ اردو کے اسکول چلا سکتے ہیں وہ اسکول چلائیں۔ جو اردو اسکولوں کے لیے چندہ دے سکتے ہیں چندہ دیں، جو اخبار اور رسالے خرید سکتے ہیں اخبار اور رسالے خریدیں، جو کتابیں لکھ سکتے ہیں کتابیں لکھیں۔ غرض ہر اردو والے، درمے، سخنے، قدمے کچھ نہ کچھ کرے۔ کیا ہم ایمانداری سے کہہ سکتے ہیں کہ اردو دوست ایسا کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ زبان و ادب کی خدمت کے اور بھی طریقے ہیں۔ اردو کے ادارے اپنا دائرہ عمل متعین نہیں کرتے، وہ سب کچھ کرنا چاہتے ہیں وہ مشاعرے بھی کرتے ہیں۔ اردو کے حقوق کے حاصل کرنے کے لیے جلسے بھی کرتے ہیں، کوئی نہ کوئی رسالہ بھی نکالنا چاہتے ہیں، اس طرح ان کی عملی اور تنظیمی صلاحیت بٹ جاتی ہے اور مجموعی طور پر کسی دائرے میں کوئی خاص کام نہیں ہو پاتا۔ بہتر یہ ہو کہ وہ اپنا ایک مخصوص کردار بنائیں، یا تو ادبی ادارے چلائیں اور ان کا بھی کوئی مخصوص دائرہ ہو، مثلاً تحقیق یا تنقید، یا قدیم ادب یا جدید ادب، یا تعلیمی ادارے چلائیں اور ان میں بھی ابتدائی یا ثانوی یا اعلیٰ تعلیم کے لیے علیحدہ علیحدہ ادارے ہوں۔ ایسا نہیں ہے کہ اردو دوستوں میں مخلص لوگ نہیں ہیں، نہ تنظیمی صلاحیت رکھنے والوں کا فقدان ہے گو ایسے لوگ کم ضرور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ادارہ یا ہر فرد ہر کام کرنا چاہتا ہے اور بالآخر وہ کچھ عرصے کے بعد یا تو دوسروں کے خلاف ہو جاتا ہے یا افسردگی اور احساس شکست کا شکار ہو جاتا ہے۔

اردو دوست اب تک جلسوں، کانفرنسوں، شاندار تقریروں، زوردار قراردادوں، ارباب اقتدار کے پاس وفود لے جانے یا بغیر راست اقدام سے بہت مرعوب ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ چیزیں بے کار ہیں۔ یہ لعبہ کی چیزیں ہیں اور ان کو صرف کاروباری اور مقصدی ہونا چاہیے۔ یہ ایک خاص موڑ یا منزل پر ایک خاص مقصد کے لیے مفید ہو سکتی ہیں کانفرنسیں کرنا اور ان میں قراردادیں پاس کر کے خوش ہو لینا، ان لوگوں کا کام ہے جو نابالغ یا نیم پختہ ذہن رکھتے ہیں۔ اسٹیج کی

روشنی میں اچھا اور ٹھوس کام نہیں ہوتا، ہاں الفاظ کی بازیگری ہوتی ہے۔

آزادی کے بعد جہاں اردو کے لیے دشواریاں پیدا ہوئی ہیں وہاں آزادی کے دیئے ہوئے مواقع بھی ملے ہیں۔ مگر ان مواقع سے ہم نے اب تک خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھایا۔ حکومت سے مطالبہ کرنا ہمارا حق ہے، مگر یہ ہرگز کافی نہیں ہے کیونکہ جو حکومت ہندوستان میں عام تعلیم کو اب تک پوری طرح نافذ نہیں کر سکی، بے روزگاری کو نہ روک سکی، ملک میں امن و امان قائم نہیں رکھ سکی اور روز بروز غذا کے لیے دوسروں کی دست نگر ہوتی جاتی ہے وہ اقلیتوں کے حقوق کے لیے کس طرح مضبوط قدم اٹھائے گی۔ مختلف سیاسی پارٹیوں سے اردو کا مطالبہ منوانا مشکل نہیں کیونکہ بیشتر ووٹ حاصل کرنے کے لیے وعدے کر لینے میں پس و پیش نہیں کرتیں، لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ عمل کے وقت کم پارٹیاں اپنے وعدے کو پورا کرنے کی ایمانداری سے کوشش کرتی ہیں۔ ٹال مٹول یا بہانہ بازی عام ہے۔ اس لیے ہمیں اردو کے حقوق کے لیے حکومت یا سیاسی پارٹیوں کے سامنے اپنی بات کہنی چاہیے، مگر اس کو اردو کی نجات کا ذریعہ نہیں سمجھنا چاہیے۔

اردو کے حقوق کی حفاظت صرف اردو والے کر سکتے ہیں، حفاظت کا ذریعہ خدمت ہے، اور کوئی ذریعہ نہیں۔ خدمت کا ایک راستہ نہیں بہت سے راستے ہیں اور ہر فرد اپنی پسند کے مطابق یہ راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ اسے اس خدمت میں فوراً لگ جانا چاہیے۔ اس کی خدمت کو دیکھ کر دوسروں کو اس سے ہمدردی ہوگی۔ باتیں بنانے والوں کی اور دوسروں کو الزام دینے والوں کی کوئی مدد نہیں کرتا۔ اردو دوستوں کو یہ نکتہ گرہ میں باندھ لینا چاہیے اردو کی موجودہ حالت دوسروں کی زیادتی کی وجہ سے اتنی نہیں، جتنی خود اردو دوستوں کی غفلت اور بے عملی کی وجہ سے ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ لیں تو ہمارے سارے دلدر دور ہو جائیں۔

محترمہ نذر سجاد حیدر اور پنڈت سدرشن جی کا انتقال

یہ خبر نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ محترمہ نذر سجاد حیدر کا ایک طویل علالت کے بعد بمبئی میں انتقال ہو گیا۔ محترمہ سجاد حیدر مشہور اردو ادیب سجاد حیدر یلدرم کی بیوی تھیں اور خود ایک ممتاز ادیبہ تھیں۔ انھوں نے خواتین میں بیداری اور اصلاح معاشرت کے لیے بڑا کام کیا اور ان کے کئی ناول اردو کے افسانوی ادب میں اہمیت رکھتے ہیں۔ ادارہ ہماری زبان ان کی قابل فخر صاحبزادی اور اردو کی مشہور افسانہ نگار قرۃ العین حیدر کے ساتھ دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ اردو اور ہندی کے ممتاز افسانہ نگار پنڈت سدرشن کا ۷۰ سال کی عمر میں چند روز ہوئے بمبئی میں انتقال ہو گیا۔ سدرشن نے اردو کی بڑی خدمت کی ہے۔ انھوں نے پہلے اردو میں اور بعد میں ہندی میں لکھنا شروع کیا۔ ان کے افسانے قومی جذبے، اصلاح معاشرت اور ماحول کی مصوری کے ترجمان تھے۔ ادارہ ہماری زبان ان کے پس ماندگان سے دلی ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

اردو کے ناشر محمد یوسف جامعی کا انتقال

یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ اردو کے ایک مشہور اور مخلص ناشر جناب محمد یوسف صاحب جامعی (مالک مکتبہ شاہراہ، دہلی) کا اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ۱۲ دسمبر کو صبح کے ساڑھے دس بجے تقریباً ۵۰ سال کی عمر میں دہلی میں انتقال ہو گیا۔

موصوف کو خون کے دباؤ (بلڈ پریشر) کی عرصے سے شکایت تھی۔

غالب کی صد سالہ تقریبات میں بین اقوامی شخصیتیں مدعو کی جائیں گی

لکھنؤ۔ مرزا غالب کی صد سالہ سالگرہ کی تقریبات کمیٹی نے آج یہاں شری اگرسین کی صدارت میں یہ فیصلہ کیا کہ ایران، افغانستان، پاکستان، روس اور دوسرے ممالک سے اہم اسکالرز کو اس بین اقوامی سیمینار میں شرکت کے لیے مدعو کیا جائے جو ۱۹۶۸ء میں ہوگا۔

بنارس، الہ آباد اور لکھنؤ یونی ورسٹیوں کے صدر شعبۂ ہندی و اردو سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ دونوں زبانوں میں غالب پر دو کتابیں تیار کریں۔

جو دوسرے پروگرام بنائے گئے ہیں ان میں ایک آل انڈیا مشاعرہ، شام موسیقی جس میں ہندوستان کے فلمی ستارے مدعو کیے جائیں گے وغیرہ شامل ہیں۔

کمیٹی نے یہ فیصلہ بھی کیا ہے کہ شاعری اور غالب کے بارے میں بچوں کے مقابلے ہندی اور اردو میں کرائے گی۔

اس مقصد کے لیے روپیہ جمع کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی بھی بنا دی گئی ہے۔

(قومی آواز لکھنؤ)

الم مظفر نگری کی خدمات کا اعتراف

مظفر نگر۔ اردو کے ادیب اور شاعر الم مظفر نگری کی کتاب "آہنگ سرمدی" جو کہ علامہ فیضی کی گیتا منظوم کا اردو منظوم ترجمہ ہے۔ حکومت یو۔پی نے اس کتاب کو ہندی رسم الخط میں چھپوانے کے لیے مولانا کو پندرہ سو روپے کی رقم بطور امداد عنایت فرمائی ہے۔ حکومت یو۔پی کا یہ اقدام قابل تحسین ہے۔

نیر اقبال

اردو کا مسئلہ

اردو ہندوستانی زبان ہے
اردو بدیسی زبان ہے
اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ ملنا چاہیے
اردو کی ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں ہے
اردو ایک بولی ہے جس کو ہندی میں ضم کر دینا چاہیے
اردو کی بقا کے لیے جان دے دیں گے
اردو کی تحریک پاکستانی ایجنٹوں کی چلائی ہوئی ہے

آج کل یوپی اور بہار کی فضا ان اور اس طرح کے اور بہت سے دوسرے نعروں سے گونج رہی ہے اردو کے مسئلہ نے غذائی مسائل کے بعد دوسری بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے۔

جن سنگھی اخباروں میں اردو کے خلاف "دیش دیاپی آندولن" چلانے کے منصوبے ظاہر کئے جا رہے ہیں اور کچھ لوگوں نے تو لڑائی بول بھی دی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اردو کا مسئلہ ہے کیا اور ہندوستان میں اردو کی اہمیت کیا ہے؟ درحقیقت اردو کی تحریک صرف پاکستانی ایجنٹوں کی چلائی ہوئی ہے یا اس کی کوئی لسانی قدر و قیمت بھی ہے؟

ان میں سے پہلے دو سوالوں کے جواب کے لیے ہم کو تاریخ میں ماضی کی طرف سفر کرنا پڑے گا۔ تقریباً اس زمانے تک ہندوستان میں جب مسلمان آئے نہیں تھے بلکہ آنے والے تھے۔

جدید آریائی زبانوں یعنی ہندی، اردو، بنگلہ، مرہٹی، گجراتی وغیرہ زبانوں کے طلوع کا زمانہ تقریباً آٹھویں، نویں صدی عیسوی سے مانا جاتا ہے اس زمانے میں جو زبانیں ادبی حیثیت کی حامل تھیں وہ اپ بھرنش کے نام سے مشہور تھیں۔ ان میں سے شورسینی اپ بھرنش لینگوا فرینکا کی حیثیت رکھتی تھی اور گجرات و پنجاب سے لے کر بنگال تک رائج تھی۔ اسے اتفاق ہی کہئے کہ جس زمانے میں ہندوستان کے اندر یہ لسانی تبدیلیاں ہو رہی تھیں اسی زمانے میں ہندوستان کو سیاسی اور تمدنی اعتبار سے بھی زبردست حالات کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ یہ زمانہ بہت بڑے سیاسی الٹ پھیر کا تھا۔ مسلمان بجلی کی طرح آناً فاناً شمالی ہندوستان کو زیر کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے ان کے جلو میں ایک نیا تمدن اور ایک نئی زبان آ رہی تھی یہ زبان اردو نہیں تھی بلکہ فارسی تھی۔ مسلمانوں نے یہاں حکومت قائم کر کے درباری سرکاری زبان کا درجہ فارسی کو دیا۔

شورسینی، اپ بھرنش اپنے آخری دور میں خالص ادبی زبان بن گئی۔ شورسینی اپ بھرنش جس علاقے کی زبان تھی اس علاقے میں عام بول چال کی زبان دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ زبانوں کے اس طرح تقسیم ہو جانے کے بہت سے اسباب ہوا کرتے ہیں، وہی اسباب یہاں بھی عامل تھے۔ بہرحال ان بولیوں کو دو بڑے گروپوں میں تقسیم کیا جاتا ہے مغربی اور مشرقی کھڑی بولی برج۔ قنوجی۔ بندیلی بولیاں مغربی گروپ کے تحت آتی ہیں اودھی وغیرہ مشرقی کے۔

مسلمانوں کے آنے کے زمانے تک ان تمام بولیوں نے کوئی مستقل اور ادبی شکل نہیں اختیار کی تھی۔ یہ اپنی ابتدائی شکلوں میں تھیں تقریباً ۱۰۰۰ء عیسوی کے بعد ان بولیوں کا ارتقا شروع ہوتا ہے یوں تو ان تمام بولیوں پر نئے تمدنی اور تہذیبی حالات نے اثر ڈالا اور انھوں نے فارسی سے اثر قبول کیا لیکن کھڑی بولی ان حالات سے سب سے زیادہ متاثر ہوئی۔

ہندوستان میں مسلمان کوئی بہت بڑی تعداد میں تو نہیں آئے تھے اور جو آئے تھے ان میں سے بہت ہی کم ایسے تھے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ آئے ہوں۔ یہاں ایک طرف تو یہاں کے مقامی لوگ خاص طور سے شمالی مغربی ہندوستان کے رہنے والے نئے مذہب کے رنگ میں رنگنے لگے دوسرے آ گئے ہوئے مسلمانوں نے مقامی نومسلم اور غیرمسلم خاندانوں میں ازدواجی رشتے قائم کئے پھر درباری سرکاری کام کاج میں یہاں کے مقامی لوگ حصہ لینے لگے۔ لشکر میں بھی شامل تھے یہ تمام نومسلم مسلمانوں کے قریب آنے والے غیرمسلم لشکروں میں شریک ہونے والے غیرمسلم اور دربار سے تعلق رکھنے والے مقامی لوگ کچھ ایسی ہی زبان بولنے لگے جیسی آجکل کے پڑھے لکھے انگریزی داں حضرات اردو یا ہندی بولتے ہیں۔ ان تمام لوگوں میں سے بیشتر وہ لوگ تھے جو دلی کے قرب و جوار میں بولی جانے والی بولی بولتے تھے۔ یہ بولی جس کو بعد میں کھڑی بولی کا نام دیا گیا اس طرح پر دو دھاروں میں ارتقا کرنے لگی ایک تو پرانے انداز میں سنسکرت سے ترغیب باقی رہی اور دوسری دھیمے دھیمے عربی فارسی سے مملو ہو گئی بعد میں اسی طرح فارسی رسم خط استعمال کیا جانے لگا جس طرح آجکل دیسی عیسائی رومن رسم خط کا استعمال کرتے ہیں اور کھڑی بولی کے یہ دونوں لسانی دھارے اپنے اپنے ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے پختہ بول چال کی ادبی اور علمی زبانوں کے زینے تک آ پہونچے۔

اس طرح اردو اور ہندی کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے دو باتیں صاف سمجھ میں آ جاتی ہیں ایک تو اردو خالص ہندوستانی آریائی زبان ہے۔ دوسرے اس کے ابتدائی بولنے والے غیرملکی مسلمان نہیں تھے بلکہ خالص مقامی لوگ تھے چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیرمسلم۔ ڈاکٹر دھیریندر چٹرجی کے خیال کے مطابق اردو کی نشو و نما اور ترویج میں سب سے اہم حصہ کایستھوں نے ادا کیا ہے۔

اردو کے اندر عربی فارسی الفاظ جو اپنی اصلی شکل میں لکھے جاتے ہیں اس کی وجہ بھی رسم خط ہے۔ اگر آج ہم رومن رسم خط کو اپنا لیں تو قدرتی طور پر انگریزی اصطلاحوں کو ان کے صحیح ہجے سے لکھیں گے چاہے ان کا تلفظ صحیح ادا نہ کریں۔ اسی طرح سے اردو میں فارسی رسم خط

کی وجہ سے عربی فارسی الفاظ بعینہٖ لکھے جانے لگے حالانکہ اس رسم خط کے بعض حروف اور حروف کے بعض مجموعے ایسے ہیں جو کبھی ہندوستان میں صحیح طور پر ادا نہیں کیے گئے ہوں گے۔

ہندوستان کی تہذیبی اور علمی ترقی میں کھڑی بولی کی اردو دھارا نے ہندی دھارا سے زیادہ حصہ لیا ہے اور زیادہ بڑا رول ادا کیا ہے تقریباً ۱۸۰۰ سن عیسوی تک ہندی کھڑی بولی کو ادبی اور علمی زبان کا درجہ نہیں مل سکا جب کہ اس وقت تک اردو کی شمالی ہند اور دکن میں تقریباً چار سو سالہ پرانی ادبی تاریخ بن چکی تھی۔ اس میں علمی اور ادبی تصانیف کی بہتات ہو گئی تھی۔ ۱۸۶۵ء عیسوی کے بعد آریہ سماجی تحریک نے ہندی کھڑی بولی کو اپنا ذریعہ ترویج بنایا۔ اس کے بعد ہندی اور اردو نثر کی ترقی میں سب سے بڑا حصہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے ہندوستانی شعبہ نے لیا یہاں دیوناگری اور فارسی رسم خط میں کتابیں لکھوائی گئیں اور ان کی اشاعت ہوئی۔ اس زمانہ میں انگریز حاکموں کے لیے ہندوستانی زبانوں کا سیکھنا لازمی سمجھا جاتا تھا ان کی اس تعلیم کا انتظام کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج میں کیا گیا تھا۔ ہر شعبہ اپنے نصاب کی کتابیں خود ہی تیار کراتا تھا ہندوستانی شعبہ کے سامنے زبردست مشکل تھی ایک ہی زبان کی تین حیثیتیں تھیں بول چال کی سطح پر زبان ایک تھی اور علمی ادبی سطح پر الگ الگ پختہ دو زبانیں تھیں (رسم خط بھی دو تھے)۔ اس لیے اس کو الگ الگ دونوں رسم خطوں میں کتابیں تیار کرانی پڑیں بول چال کی زبان کیونکہ ادبی زبان اردو کے زیادہ قریب تھی اس لیے وہاں اردو پر زیادہ زور دیا گیا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر سے لے کر انیسویں صدی کے وسط تک غیر ملکیوں نے ہندوستانی زبان کی بہت سی لغات اور قواعد لکھی ہیں۔ ان تمام تالیفات میں اردو کو ہی اصل موضوع بنایا گیا ہے اور دیوناگری رسم خط کو اسماً متعارف کرا دیا گیا ہے۔ پہلا لسانی جھگڑا جو اردو اور ہندی کو لے کر ہوا، وہ ۱۸۳۵ء کے اریب قریب تھا۔ مسئلہ ذریعہ تعلیم کا تھا۔ میکالے انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانا چاہتا تھا۔ دوسرے مستشرق ہندوستان کی کسی کلاسیکل زبان کو۔ اس میں میکالے کی فتح ہوئی۔ کلاسیکل زبان کے منظر میں سے نکل جانے کے بعد یہ مسئلہ اٹھا کہ ابتدائی درجوں کے لیے ذریعہ تعلیم کون سی زبان بنائی جائے اس سلسلہ میں پہلے اردو منظور ہوئی پھر ایک سال بعد ہندی کر دی گئی اور پھر دونوں زبانیں منظور کر لی گئیں۔

یہ پورا دور خاصے شور و غوغے کا تھا اردو کی حیثیت ہندی سے زیادہ مستحکم تھی اس لیے بیشتر لوگ اردو ہی پڑھتے رہے۔ اس زمانے میں ہندی کی مقبولیت کو ہندی کے احیا کی منفی تحریک نے خاصا نقصان پہونچایا۔ یہ منفی تحریک سنسکرت کے تدبھو الفاظ کے بجائے تت سم الفاظ کے استعمال کی حمایت کرتی تھی اس طرح زبان کے فطری بہاؤ پر روک لگائی تھی۔ مثلاً

چھاؤں	کے بجائے	چھایا
سنگھار	" " " "	سرنگار
سورج	" " " "	سوریہ
کھمبا	کے بجائے	استمبھ
سات	" " " "	ساڑی

یہ رجحان آج بھی ہندی کے لیے نقصان دہ ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہندی فلمی گانے عوام میں مقبول نہیں ہوتے اس کی وجہ یہی منفی رجحان ہے۔ عوام زبان کے سچے پارکھ ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ غیر صحت مند لسانی رجحانات کو رد کر دیتے ہیں۔ آزادی کے بعد بھی اب تک عدالتوں میں دیوناگری رسم خط استعمال میں آجانے کے باوجود زبان اردو ہی استعمال کی جاتی رہی ہے میرے اس دعوے کے ثبوت میں کسی بھی عدالتی اشتہار کو اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ اردو کی مقبولیت کے اسباب بھی یہی ہیں کہ اردو ہمیشہ غیر صحت مند لسانی رجحانات سے پاک رہی ہے۔ اردو میں بعض ایسی تحریکیں پیدا ضرور ہوئیں جو صحت مند لسانی رجحانات کی نفی کرتی تھیں لیکن وہ تحریکیں زبان پر غلبہ نہ پا سکیں۔

ہندی زبان کی منفی تحریکوں کے حامی اور احیاء پرست اردو کی مقبولیت کو ہمیشہ بری نگاہ سے دیکھتے رہے وہ لوگ شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اردو کی یہ عوامی مقبولیت ہی ہے جو جدید ہندی کی ترقی و ترویج کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ آزادی کے بعد اردو کو بھی ملک کی دوسری بڑی زبانوں کے ساتھ دستور میں جگہ دی گئی اس کے تحفظ اور ترویج کا وعدہ کیا گیا۔ لیکن عملی طور پر اس کے ساتھ سوتیلی بیٹی کا سا برتاؤ کیا گیا۔ ایسے حالات پیدا کیے گئے جس میں اردو کی تعلیم مشکل سے مشکل ہو جائے بیشتر سرکاری اسکولوں میں اردو پڑھانے کے تمام انتظامات ختم کر دیے گئے بیسک کلاسز میں اردو پڑھائی جاتی ہے لیکن اردو کا جو نصاب تیار کیا جاتا ہے اس میں اردو ادیبوں اور شاعروں کی تخلیقات کم ہوتی ہیں بلکہ بیشتر وہ ہندی نصاب کی کتاب میں جو اسباق ہوتے ہیں ان کے ترجموں پر مشتمل ہوتا ہے۔ بیشتر پرائیویٹ ڈگری کالج بھی اپنے یہاں اردو تعلیم کا انتظام نہیں کرتے۔ حد یہ ہے کہ آگرہ کالج میں جس کی بنیاد ۱۸۲۰ میں انگریزوں نے جیسن کالج کے نام سے ڈالی تھی جب اس کے بعد میں نہ صرف اردو شعبہ قائم کیا گیا تھا بلکہ اردو کتابوں کا ایک بہت بڑا اور بیش قیمت ذخیرہ بھی جمع کیا گیا تھا وہاں سے اردو کا نام و نشان مٹا دیا گیا ہے۔ اردو کا وہ بیش قیمت ذخیرہ بھی منتشر کر دیا گیا ہے ان کتابوں کا ڈھونڈنے سے بھی پتہ نہیں ملتا۔ تقریباً ہر جگہ یہی کیفیت ہے آج بچوں کو اس لیے اردو پڑھانے سے گریز کیا جاتا ہے کہ اردو پڑھے لکھے لوگوں کا ہندوستان میں کوئی مستقبل ہی نہیں ہے۔ اردو کی اعلیٰ تصانیف کے لیے پبلشر نہیں ملتے کیونکہ ان کی کھپت ہی نہیں ہے۔ بڑی لائبریریاں اردو کی کتابیں نہیں خریدتیں۔ نصاب کی کتابیں نہ چھپتی ہیں۔ اور نہ دستیاب ہوتی ہیں۔ اردو کے رسالے پیدا ہوتے ہی دم توڑ دیتے ہیں جو لوگ اردو اسکول قائم کرنا چاہتے ہیں ان کی خاص طور پر ہمت شکنی کی جاتی ہے۔ سرکاری طور پر ان کی کوئی ہمت افزائی نہیں ہوتی۔ ڈاک خانوں میں اردو پتہ لکھے خطوں کی رجسٹری کرنے سے

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

روشنی کے پھول

حسن شبیر

دل کی آرزوؤں کے جب پھول کھلتے ہیں تو آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے
— ہر صبح مسکراتی ہے
خاموش آنکھوں سے دیکھتی ہے
لیکن روشنی نہیں ہوتی ہے
روشنی تو انسان اپنی آرزوؤں اور کاوشوں سے پیدا کرتا ہے
جس میں صدیوں کے پھول کھلتے ہیں
آنسوؤں کے پھول
جس میں انسان اپنے حسن کو تلاش کرتا ہے
رفتہ رفتہ مسکراتا ہے
اور خاموش آنکھوں سے دیکھتا ہے
جو سدا بہار پھول ہوتے ہیں
کروڑوں انسان ان پھولوں میں ناچتے ہیں
کروڑوں آنکھیں ان پھولوں میں گیت گاتی ہیں
روشنی دیتی ہیں
اور شمعیں جلاتی ہیں
انسان اپنی آنکھوں میں
زندگی اور موت کی
ان شمعوں کو جلائے ہوئے ہے
کروڑوں آفتاب و ماہتاب اس کی آنکھوں میں چمک رہے ہیں

معمہ

آزاد گلاٹی

دن نکلتا ہے ترے رخ سے اجازت لے کر
رات آتی ہے تری زلف کے سائے سائے
تو یہ کہتی ہے کہ
تو میری ہے
پھر یہ ہستی کے شب و روز
مجھے
لگتے نہیں کیوں اپنے —؟!

دنیا

ساجد اثر

ریت کے گھروندے میں
پل صراطِ نادیدہ
کر رہی ہے سرگوشی

غزلیں

باقر مہدی

بے وجہ خوار ہو کے، پشیماں، یونہی چلے
مجبوریوں کے ساتھ ہم اپنی خوشی چلے
ہر سمت اُڑ رہی ہے وہی بے دلی کی راکھ
تنہائی، ہم کو ساتھ جہاں لے چلی چلے!
اک خامشی کی چیخ نئی جنتوں میں سن!
وہ دیکھ سر جھکائے سنئے آدمی چلے
بازیگروں کا دور گیا، ٹوٹی ہر صدا
سرِ دار کا طلسم نہ اب ساحری چلے
موسیٰ بھی آج نیل کے طوفاں میں بہہ گئے
یہ کس کی جستجو میں نئے سامری چلے؟
بادل برس کے خوف کی وادی میں رہ گئے
ہم بجلیوں کے ساتھ لبعد بے کسی چلے!
باقرؔ کسی خوش جزیرے میں جا چھپو
قزاقوں کے شہر میں کیا "شاعری چلے!"

اختر نقوی

تھا کوئی قیس بھی دیوانوں میں
نام دیکھا تو ہے افسانوں میں
یہ تو سب اپنے تھے سب اپنے ہیں
غیر کوئی نہیں بیگانوں میں
نام ہی نام ہے دیوانوں کا
خاک اڑتی ہے بیابانوں میں
ذکر اپنا بھی ہوا ہے رسوں
لا نہ دو گل کے نگہبانوں میں
شاخِ گل کی سی لچک رکھتے ہیں
وہ جو پتھر ہیں صنم خانوں میں
کون ہے جو یہ بتا دے نقوی
کتنے انسان ہیں انسانوں میں

ایم۔ اے۔ شمیم سرونجوی

شب کو پڑھی جو ہم نے تری یاد کی کتاب
دل کو بہت پسند تھا موضوعِ اضطراب
مدھم سی ہو گئی ہے تصور کی چاندنی
بجھ سے گئے ہیں تیرے خیالوں کے ماہتاب
مرجھا چلے تھے وقت کی جو تیز دھوپ میں
مہکے ہیں آج پھر تری یادوں کے وہ گلاب
نفرت بھی لوگو! میری طرح بادہ خوار ہے
ہر صبح جام "اٹھاتا" ہوں میں اور وہ آفتاب
اک موجِ بے پناہ ہے اک بحرِ بے کراں!
جس زندگی کو کہتے چلے آئے ہیں "حباب"
ہم نے شمیمؔ توڑ دیا رشتۂ "امید"
دیکھیں گے آج سے نہ کبھی آرزو کے خواب

صفحہ ۴ سے آگے

بیشتر انکار کر دیا جاتا ہے۔ یہ صرف اردو کی سخت جانی ہے کہ آج بیس برس سے ان نامساعد حالات کا سامنا کرتی ہوئی جئے جا رہی ہے اور عوامی مقبولیت میں فرق نہیں آیا۔ اردو کے نظم اور اردو کے گانے بنگال سے پنجاب اور کشمیر سے لے کر سیلون تک مقبول ہیں اور بڑے چاؤ سے گنگنائے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے تمام ریڈیو اسٹیشن ثقیل ترین ہندی میں خبریں براڈکاسٹ کرنے کے باوجود تمام دن اردو گانے براڈکاسٹ کرتے رہتے ہیں۔ خبریں تو خیر جتنی سنی جاتی ہوں گی سنی ہی جاتی ہوں گی لیکن گانے سب ہی سنا کرتے ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا کوی سمیلن اتنا کامیاب ہوا ہے جتنے معمولی مشاعرے ہو جاتے ہیں!

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اردو بدیسی زبان ہے یا یہ صرف ایک بولی ہے جو ہندی میں ضم کی جا سکتی ہے! کیا اس "لوک پریہ" زبان کی ہندوستان میں کوئی جگہ نہیں ہے؟

آج سب سے بڑا مشکل مسئلہ یہ ہے کہ زبان کے بہت صاف ستھرے مسئلہ کو سیاسی پارٹیاں، موافق بھی اور خاص طور سے مخالف، اس کو سیاسی پیچیدگیوں اور تعصبات سے آلودہ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یوں خالص لسانی بنیاد پر اردو کی حمایت میں تحریکیں چلانے کی افادیت کو یکسر نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم عمل اور طریقہ کار کا صحیح طور پر تعین ہونا چاہئے جو مطالبے پیش کئے جائیں وہ صرف نعرہ بازی کی خاطر نہ ہوں بلکہ حصہ لینے والے پورے طور سے ان کے مفہوم سے واقف ہوں مثلاً آج کل جو تحریکیں چل رہی ہیں ان کے چلانے والے اور مخالفت کرنے والے دونوں ہی اس بات سے ناواقف ہیں کہ دوسری سرکاری زبان کا مطلب کیا ہے؟

اردو کا ایسے حالات میں ارتقاء ہوا ہے کہ ہم ہندی سے الگ اردو کا اپنا کوئی علاقہ قرار نہیں دے سکتے" جو ہندی بولنے والوں کا علاقہ ہے وہی اردو بولنے والوں کا۔ لکھنؤ یا دلی یا آگرہ۔ یو۔ پی یا بہار یا مدھیہ پردیش کے کسی ایک ہی گھر میں دو شخصوں میں سے ایک اپنے کو اردو بھاشی اور دوسرا ہندی بھاشی قرار دیتا ہے تو ہم اس کو کیسے روک سکتے ہیں؟ آزاد جمہوریت کے آزاد شہری کے اعتبار سے ہم دونوں کو ان کے جائز حقوق دینے پر مجبور رہیں گے کیوں کہ ان دونوں نے ایسی زبانوں کا دعویٰ کیا ہے جن کے تحفظ کی ضمانت ہمارے دستور میں موجود ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم لوگ اردو کو ہندی کے متوازی مقابل اور حریف بنا کر رکھنا چاہتے ہیں ہندی ہی اپنے منفی رجحانات کے باوجود۔ وہ واحد زبان ہے جو آج کے ہندوستان میں قومی زبان کا درجہ حاصل کر سکتی ہے اور اگر اس کے یہ منفی رجحانات اور متعصب نظریات بروئے کار نہ ہوتے تو اب تک کبھی کا اس نے اس مرتبے کو پا لیا ہوتا۔ اردو باوجود اہل ہونے کے تمدنی اور لسانی اعتبار سے ہندوستان کی قومی زبان قرار نہیں دی جا سکتی ہم صرف دستور کے اعتبار سے سرکاری تحفظ اور جائز اعانت کے طلب گار ہیں اور عملی اعتبار سے واضح ہمت افزائی کے۔ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ہر شخص کے لیے اس کی تعلیم لازمی قرار دی جائے۔ لازمی تعلیم صرف قومی زبان کی ہی ہو سکتی ہے اور ہم اردو کو دوسری قومی زبان بنانے کی مانگ نہیں کرتے۔

ہم چاہتے ہیں کہ یو پی بہار اور مدھیہ پردیش میں

۱۔ تمام اہم سرکاری تجاویز اور احکامات ہندی کے ساتھ اردو میں بھی شائع کئے جائیں۔
۲۔ سرکاری گزٹ اردو میں بھی شائع ہو۔
۳۔ سرکار میں اردو جاننے والوں کو ملازمت دی جائے۔
۴۔ اردو میں لکھی ہوئی درخواستیں قبول کی جائیں۔
۵۔ ڈاک خانوں میں اردو میں پتہ لکھے ہوئے خطوط کے ساتھ جائز برتاؤ کیا جائے۔
۶۔ تمام بڑے کالجوں میں اردو کے شعبے قائم کئے جائیں
۷۔ تمام بڑے شہروں میں ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تمام تعلیمی مدارج میں اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔
۸۔ چھوٹے قصبوں اور گاؤں میں حسب ضرورت اردو تعلیم کا انتظام کیا جائے۔
۹۔ انگریزی کے اختیاری مضمون ہو جانے کے بعد تو اردو انگریزی کا بہترین بدل بن سکتی ہے۔ دو لازمی زبانوں کے بجائے ایک قومی زبان یعنی ہندی کو لازمی قرار دیا جائے اور ایک زبان کو اختیاری کر دیا جائے اس گروپ میں انگریزی اردو اور تمام وہ دوسری زبانیں رکھ دی جائیں جن میں بورڈ امتحان لیتا ہے باقی تین اختیاری مضامین میں اگر کوئی طالب علم ایک زبان اور لینا چاہے تو اس گروپ میں بھی ان ہی تمام زبانوں کو رکھ لیا جائے کم سے کم دو زبانیں لینا لازمی قرار دیا جائے۔ طالب علم زیادہ سے زیادہ تین زبانیں نہیں لے سکتے۔ ان حالات میں یو پی بہار اور مدھیہ پردیش کے اوپری حصے میں زیادہ تر لوگ اردو کو ہی دوسری زبان کی حیثیت سے پسند کریں گے اردو کی بقا اور تحفظ کا حل بھی ہوتا ہے گا اور طالب علموں کو بھی انتہائی سہولیت ہو جائے گی۔
۱۰۔ ہندی زبان کو لازمی قرار دے کر میڈیم کو اختیاری کر دیا جائے۔
۱۱۔ پبلک سروس کمیشن کے تمام امتحانات جس طرح دوسری صوبائی زبانوں میں ہوں ایسے ہی اردو میں ہوں۔ اردو جاننے والوں کی جگہیں محفوظ کر دی جائیں۔

اردو کو ہندی کی دوسری بولیوں جیسا رتبہ تو یوں بھی نہیں دیا جا سکتا اردو ایسی زبان ہے جس کی تعلیم کا انتظام دنیا کے تمام بڑے ملکوں میں موجود ہے بین الاقوامی طور پر اس کو ایک الگ آزاد اور خود مختار زبان کا درجہ دیا جاتا ہے۔

مراسلات

اردو غزل ولی تک

"اردو غزل ولی تک" (تاریخی و تنقیدی جائزہ و انتخاب کلام) مرتبہ ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی بزم اشاعت (شمارہ ۳۔ اسماعیل یوسف کالج، جوگیشوری، بمبئی ۶۰۔ (مقدمہ ۱۹۰ صفحات انتخاب کلام ۲۹۴ صفحات۔ فرہنگ ۲ صفحات)

"اردو غزل ولی تک" دلی یونیورسٹی کے بی۔اے (آنرز) اردو کے نصاب میں داخل ہے۔ کتاب کے موضوع اور مرتب کے نام نامی کی وجہ سے ہی یہ تالیف نصاب میں شامل کی گئی تھی لیکن جب اس کتاب کے پڑھانے کی نوبت آئی تو استادوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اول تو اس میں کتابت کی اس قدر غلطیاں ہیں کہ اصل سے مقابلہ کئے بغیر کتاب کو پڑھایا ہی نہیں جا سکتا۔ دوسرے فاضل مرتب نے کتاب کے آخر میں فرہنگ برائے نام ہی (صرف دو صفحوں میں) شامل کر کے ایک ادبی رسم ادا کی ہے اور بس فرہنگ میں وہ الفاظ تو ملتے ہیں جن کے معنی کم و بیش استادوں کو آتے ہیں مگر وہ الفاظ ہی نہ اور جن کے معنی کی تلاش رہتی ہے۔

دو صفحوں کی اس فرہنگ میں بھی دو لفظوں کے معنی غلط ہیں۔ مثلاً:

۱۔ کھنجن (فرہنگ میں کھنجن لکھا ہے جو غالباً کتابت کی غلطی ہے) بمعنی ٹکڑا صحیح نہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کا شعر ہے

نین کوں کیاں ہیں دو کھنجن پیا کے
نین کوں کیاں چلاتے سنبولے (ص۹)

کھنجن (سنسکرت) ایک مشہور چھوٹی چڑیا جو میدانی علاقوں میں صرف جاڑے میں دکھائی دیتی ہے، کھنڈر ہی ادب میں شوخ آنکھ کی تشبیہ کے طور پر آتا ہے۔

۲۔ مدماتی۔ محبت کی ماری بھی صحیح نہیں۔ لطفی کا شعر ہے

میں مست ہوں سجن کی، شد بد کی ہوں تن کی
آپ عشق کی، مدن کی معزور، مدمتی ہوں
(ص۱۱۳)

مد بمعنی شراب، متی بمعنی مست یعنی شراب کے نشے میں چور (عورت) یا شباب میں بھر پور۔

"اردو غزل ولی تک" کا دوسرا دور "قطب معانی" سے شروع ہوتا ہے اس میں ایک غزل جس کا مطلع ہے

پیا جوں جوں ملے تیوں تیوں دو تن دل داغ جالی ہے
سراسر دو تن کے تئیں کری جوں زاغ کالی ہے
(ص۹۶-۹۷)

ایک ہی جگہ دو بار لکھی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کتاب کی پروف ریڈنگ کی ہی نہیں گئی۔ اس لئے کتاب میں غلطیوں کی بھرمار ہے۔

کتابت کی غلطیاں تو خیر ایک حد تک اصل سے مقابلہ کر کے درست کی جا سکتی ہیں۔ لیکن فاضل مرتب نے ایک اور ستم ظریفی یہ کی ہے کہ محمد قلی قطب شاہ معانی کی نظموں کے اشعار محمد قطب شاہ کے نام سے اس کی غزلوں کے تحت درج کر دئے ہیں۔ اور حاشیے میں یہ نوٹ دیا ہے:

"اردو شہ پارے جلد اول۔ مذکورہ غزلوں میں قطبا تخلص ہے۔ یہ غزلیں محمد قلی قطب شاہ کے کلیات میں نہیں ہیں"

اردو شہ پارے کا صفحہ نمبر درج نہیں ہے۔ تاہم میں نے اردو شہ پارے جلد اول کی ورق گردانی کی تو محمد قلی قطب شاہ اور محمد قطب شاہ کے بیان میں کہیں اس قسم کی عبارت نہیں ملی اور اگر موجود بھی ہو تو وہ غلط ہوگی۔ کیونکہ یہ اشعار محمد قلی قطب شاہ کی کلیات میں موجود ہیں۔ مثلاً

چھبیلی سوں لگیا ہے من ہمارا، کہ اس بن نیں ہمیں یک تل قرارا
صبوری کو نہیں ہے ٹھار دل میں، صبوری کیوں کرے سو کر نہارا
حیا کر نا کرے معشوق اپے ہو، کہو نا کیا کرے عاشق بچارا
(نظم "چھبیلی" سے ماخوذ۔ کلیات محمد قلی قطب شاہ ص۲۴۴)

بسنت کھیلیں عشق کی آ پیارا، تمہیں ہیں چاند میں ہوں جوں ستارہ
بسنت کھیلے ہمیں ہور ساجنا یوں، کہ آسمان رنگ شفق پایا ہے سارا
(حوالہ)
(نظم "بسنت" سے ماخوذ۔ کلیات محمد قلی قطب شاہ ص۲۳۵)

محمد قطب شاہ کی تیسری غزل حقیقت میں محمد قلی قطب شاہ کی نظم "چاندنی اور پیا" ہے۔ یہ نظم سات شعروں پر مشتمل ہے مطلع اور مقطع درج ذیل ہے

چلے چندنی میں جب فلک پو پیارا | اوڑن عکس دیے چندر تھے اپارا
نبی صدقے قطبا کا من تجہ سوں لاگیا | کہ اب جیو میں تیرا کیتا ہے ٹھارا
(کلیات محمد قلی قطب شاہ ص۲۹۶)

(جاوید وششٹ)

داغ کے شاگردوں کا رجسٹر

متعدد حضرات نے ذکر کیا ہے کہ داغ نے اپنے شاگردوں کے نام اور دوسرے کوائف کے ساتھ ایک رجسٹر میں درج کرا رکھے تھے۔ کیا کوئی صاحب بتا سکتے ہیں کہ یہ رجسٹر اب کہاں ہے؟

(مالک رام)

ایک نہایت ضروری درخواست کے بارے میں

"ایک نہایت ضروری درخواست" کے عنوان سے تاجدار احتشام صدیقی صاحب کی ایک چٹھی، اخبار "ہماری زبان" ۲۲ نومبر ۶۶ء کے صفحہ ۸ پر شایع ہوئی ہے۔ جس میں انھوں نے ۳۰ کتابوں کی بابت معلومات کی ہے۔ ان میں سے حسب ذیل میرے پاس موجود ہیں۔

۱۔ تذکرۃ آل رسول وآبا بالعدول۔

۲۔ سردار ماں باپ اور دو سردار بیٹے۔

۳۔ الکتبۃ المہدی۔

یہ تینوں کتابیں مولوی سید انوار الرحمٰن بخاری بسمل جے پوری کی تالیف ہیں اور قیمتاً یا تحفتاً ان کے صاحبزادے مولوی سید مصباح الرحمٰن صاحب بخاری سے بھی دستیاب ہو سکتی ہیں ان کا پتہ یہ ہے:۔

مولوی سید مصباح الرحمٰن صاحب بخاری۔ میرجی کا باغ۔ بیرون چاند پول جے پور (راجستھان)

(احترام الدین احمد شاغل جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان)

دتاتریہ کیفی کے خطوط

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی انجہانی نے بابائے اردو مولوی عبدالحق کے دوش بدوش، انجمن ترقی اردو ہند کی جو شاندار خدمات انجام دی تھیں، ان کی بنا پر شروع ہی سے ان کی میرے دل میں بڑی عظمت تھی ان کی کتاب کیفیہ جو اردو صرف و نحو ہے اس کے پڑھنے اور مطالعہ کی سعادت تو کبھی حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن اس کے متعلق میں یہ ضرور سمجھتا تھا، کہ وہ ایک ماہر زبان اردو کی کتاب ہے، اس لیے وہ اپنے موضوع پر یقیناً بہت جامع اور مکمل ہوگی، اور اس کا مطالعہ کالجوں اور اسکولوں کے معلمین و طلبہ اور اردو زبان و ادب سے ذوق رکھنے والوں کو ضرور کرنا چاہیے۔ لیکن ہماری زبان ۱۵ رمئی ۱۹۶۶ء میں ان کے جو چند خطوط شایع ہوئے ہیں ان کو پڑھ کر مجھے یہ اندازہ ہوا کہ وہ جہاں اردو کے بہت بڑے خادم، کیفیہ جیسی کتاب کے مصنف سخن سنج اور ادیب و انشا پرداز تھے، غالب و شبلی و اقبال کی طرح بہت اچھے خطوط نگار بھی تھے۔ میں نے ان کے یہ خطوط پڑھے تو مجھے غالب کے خطوط کا مزہ آگیا، ان میں وہی شگفتگی، روانی، سلاست اور کیفیت ہے جو غالب کے خطوط کا طرہ امتیاز ہے۔

پنڈت جی نے اپنی طویل ادبی و تصنیفی زندگی میں سیکڑوں اور ہزاروں خطوط اپنے اعزا، احباب اور اہل علم و ادب کو لکھے ہوں گے وہ سب متعلقہ اشخاص اور قدردانوں سے مانگ کر اور انھیں تاریخ وار جمع کر کے شائع کر دیا جائے تو اردو کے خزانۂ ادب میں ایک نادر اور بیش قیمت چیز کا اضافہ ہو جائے امید ہے کہ انجمن ترقی اردو اپنے قدیم خادم اردو کی ان یادگاروں کو جمع کرنے کی طرف توجہ کرے گی اور ان کو جلد سے جلد منظر عام پر لائے گی۔ یہ خطوط اگر متعلقہ اشخاص کے پاس پڑے پڑے ضائع ہوگئے اور ان کی اشاعت کی طرف توجہ نہ کی گئی، تو اردو ادب کا بہت بڑا ضیاع ہوگا، جس کی پھر تلافی نہ ہو سکے گی۔

پنڈت جی کے رفیق کار بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب کے خطوط کے غالباً اب تک کئی مجموعے شایع ہو چکے ہیں، لیکن ہم پنڈت جی موصوف کی کتاب کیفیہ کے علاوہ اور کسی نگارش قلم سے واقف نہیں ہیں جس کے دیکھنے کے، ان چند خطوط کی بنا پر جو ہماری زبان میں شایع ہوتے ہیں بے حد مشتاق ہیں۔

(ابو علی)

اردو میں ناول نگار خواتین

میں لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو میں ناول نگار خواتین کے موضوع پر ریسرچ کر رہی ہوں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا ناول جو میری نظر سے گزرا وہ خاتون صاحبہ کاکوروی کا ناول شوکت آرا بیگم ہے۔ یہ ناول ۱۹۱۶ء کا تصنیف شدہ ہے اگر کسی صاحب کو اس سے پہلے کے کسی ناول کا علم ہو تو وہ برائے مہربانی مندرجہ ذیل پتہ پر مطلع فرمائیں۔ بیحد مشکور ہوں گی۔

بیگم نسیم اقتدار علی
۲۵۔ گلستاں کالونی لکھنؤ

غیر ہندی ریاستیں ہندی کو واحد قومی زبان بننے کی اجازت نہیں دیں گی انبودری پد

مدراس (کیرل) کے وزیر اعلیٰ جناب ای۔ ایم۔ ایس نمبودری پد نے آج یہاں اعلان کیا کہ غیر ہندی بولنے والی ریاستیں ہندی کو واحد راشٹر بھاشا (قومی زبان) ہونے کی اجازت نہیں دیں گی انھوں نے کہا کہ کوئی شخص جس کے اندر خودداری کی ذرا سی بھی رمق باقی ہوگی، انگریزی کو جو ایک غیر ملکی زبان ہے "راشٹر بھاشا" رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ جناب نمبودری پد نے ہونے ۲۰۰ دیں طلبا کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے کہا کہ ہندوستان میں بجز ان لوگوں کی ادنیٰ اقلیت کے جس کا یہ کہنا ہے کہ انگریزی دنیا کی سب سے اچھی زبان ہے تمام ریاستوں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے لوگوں کی اکثریت انگریزی کو ہٹائے جانے کی طالب ہے لیکن اس کی جگہ پر ہندی نہیں بلکہ خود اپنی زبان کی طالب ہے۔

جناب نمبودری پد کے بموجب ہندوستان میں کوئی واحد "راشٹر بھاشا" نہیں ہے یہی وہ مسئلہ ہے جہاں مہاتما گاندھی نے سب سے بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ وزیر اعلیٰ کیرل نے دعویٰ کیا کہ ہندوستان میں ایک درجن قومی زبانیں ہیں۔

انجمن ترقی اردو شہر علی گڑھ کا انتخاب

علی گڑھ۔ ایوب بلڈنگ (بالائے قلعہ) کے ہال میں انجمن ترقی اردو شہر علی گڑھ کا انتخابی جلسہ زیر صدارت جناب مولوی ریاض الرحمٰن شروانی منعقد ہوا، گذشتہ کارروائی کی تصدیق اور مرزا ابراہیم بیگ مرحوم خازن انجمن ترقی اردو شہر کے انتقال پر ملال پر اظہار افسوس کے بعد حسب ذیل انتخاب متفقہ طور پر عمل میں آیا۔

مولانا عبدالشاہد خاں شروانی، صدر، حافظ بشیر احمد قریشی، نائب صدر سید بنیاد علی، جنرل سکریٹری، عبدالرحیم غازی صاحب جوائنٹ سکریٹری حاجی عبدالحکیم، خازن۔

دیگر حسب ذیل حضرات کو مجلس عاملہ کا رکن مقرر فرمایا گیا۔

۱۔ جناب حاجی ریاض الرحمٰن خاں شروانی۔ ۲۔ محمد عمر خاں ثمر صاحب
۳۔ محمد ابرار احمد صاحب ۴۔ مولانا فاروق احمد صاحب
۵۔ ضمیر الدین قریشی صاحب۔ ۶۔ ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب
۷۔ عزیز احمد صدیقی صاحب۔ ۸۔ جناب صلاح الدین صدیقی صاحب
۹۔ جناب ضیاء الدین انصاری صاحب۔ ۱۰۔ سید افضال حسین تبسم صاحب
۱۱۔ محمد حبیب قریشی وکیل۔ ۱۲۔ حسام الدین صاحب

(سید بنیاد علی جنرل سکریٹری)

مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس سے ڈاکٹر نارنگ کی واپسی

شعبۂ اردو دلّی یونیورسٹی میں ڈاکٹر امیر حسن عابدی، ریڈر شعبہ فارسی دلّی یونیورسٹی کی صدارت میں ۳۰ر نومبر ۱۹۶۶ء کو خیر مقدمی جلسہ ہوا جس میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کو ان کی امریکہ اور یورپ سے واپسی پر استقبالیہ دیا گیا۔ نارنگ صاحب دعوت خاص پر مستشرقین کی بین الاقوامی کانگریس میں حصہ لینے کے لیے مشی گن (امریکہ) گئے تھے۔ ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے اپنی تقریر میں کہا کہ نارنگ صاحب تقریباً تین چوتھائی دنیا کا سفر کر چکے ہیں اور جہاں جہاں گئے ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ وہاں کے لوگوں کو اردو سے روشناس کرائیں۔ طلبہ کی جانب سے محمد صادق صاحب نے خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر نارنگ کی شخصیت ہمہ گیر اور گہری علمیت کی حامل ہے اور یہ کہ وہ کسی بھی بین الاقوامی مجلس میں اردو کی نمائندگی کر سکتے ہیں جب آپ اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے وہاں گئے تھے تو آپ نے بے حد کامیابی اور حسن و خوبی سے اپنے فرائض انجام دیے۔

ڈاکٹر نارنگ نے کانگریس کے ستائیسویں اجلاس سے متعلق اپنی رپورٹ میں بتایا کہ اس میں ۸۰ ملکوں کے تقریباً ڈھائی ہزار مندوبوں نے شرکت کی۔ اس کے دس شعبے تھے جن میں سب سے زیادہ مقالے اسلامی دنیا اور قدیم و جدید ہندوستان کے شعبوں میں پڑھے گئے خود ڈاکٹر نارنگ نے اردو افسانے کے بنیادی رجحانات پر مقالہ پڑھا۔ جدید افسانے پر روشنی ڈالتے ہوئے انھوں نے کہا کہ نئے لکھنے والوں کے یہاں سماج سے ایک طرح کی بے تعلقی اور غیریت کا جو احساس ملتا ہے وہ صرف مغربی رجحانات کی تقلید میں نہیں ہے۔ اس کا گہرا تعلق بے دلی اور مایوسی کی اس فضا سے بھی ہے جو ملک کے اندر کی سیاسی پراگندگی اور حکمران پارٹی کے قول و فعل کے تضاد سے پیدا ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر نارنگ نے اپنی رپورٹ میں جدید ہندوستان اور اسلامی دنیا سے متعلق پڑھے جانے والے تمام اہم مقالوں کی تفصیل پیش کی۔ انھوں نے کہا کہ مشی گن کے بعد وہ وسکانسن اور نیویارک گئے۔ امریکہ میں غالب کی برسی کے لیے جو پروگرام طے ہوا ہے، اس کے مطابق غالب کی منتخب غزلوں کا ترجمہ امریکی شعراء کی مدد سے انگریزی میں کیا جا رہا ہے۔ غالب پر تنقیدی مقالوں کی ایک کتاب مرتب کی جا رہی ہے نیز خطوط غالب بھی انگریزی میں شائع کیے جائیں گے۔

(بامین پردیز)

گورکھپور میں انجمن "نئے فنکار" کا جلسہ

گورکھپور۔ "نئے فنکار" کی مجلس عاملہ کی ایک نشست زیر صدارت ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد بروز جمعہ ۷ بجے شب میں منعقد ہوئی۔ جس میں صدر کے علاوہ غلام رسول مکرانی، انجم عرفانی، اشفاق عظمی، موسیٰ مجروح، محمد ندیم، حسن احمد، مصطفیٰ اکمال، غلام جیلانی نے شرکت کی۔ ادارہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے

جناب صدر نے کہا کہ ہمارا مقصد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس میں دہی ادبا و شعرا شریک ہوسکتے ہیں، جو ادب میں جدید تصورات و فکر کے حامل ہوں۔ بلکہ جدید و قدیم دونوں ہی طرز فکر کے وہ لوگ جو عالم ادب کے علمبردار ہوں، ادارہ کے کارکن ہوسکتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ادارۂ ادب میں جدید تجربات اور نئے آہنگ کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کے لیے کوشاں رہے گا۔ (مصطفیٰ کمال)

اردو ریسرچ ایسوسی ایشن دہلی یونیورسٹی کا جلسہ

دہلی۔ اردو ریسرچ ایسوسیشن شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی کے زیر اہتمام ہندی نقاد جناب من متھناتھ گپت کی صدارت میں ایک جلسہ میں ڈاکٹر قمر رئیس استاد شعبۂ اردو نے پریم چند کی کہانیوں کا تحقیقی مطالعہ کے عنوان سے مقالہ پڑھا۔ جلسہ کا آغاز جناب صدیق الرحمان قدوائی کی تقریر سے ہوا جس میں انھوں نے معزز صدر اور مقالہ نگار کا خیر مقدم کیا اور اردو ریسرچ ایسوسیشن کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے پریم چند کے افسانوں کا تاریخی جائزہ لیا۔ اردو اور ہندی کے مختلف نقادوں نے ان کی کہانیوں کی صحیح تعداد اور ان افسانوں میں حقیقت پسندی کے میلان کی ابتدا کے بارے میں جو بیانات دیے ہیں اور ان میں بعض کو غلط اور گمراہ کن بتایا۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے یہ بھی ثابت کیا کہ پریم چند قلمی نام اختیار کر لینے کے بعد بھی دھنپت رائے نواب رائے۔ بمبوق وغیرہ ناموں سے کہانیاں اور مضامین لکھتے رہے۔

انھوں نے یہ بھی کہا کہ پریم چند کے نام سے ایسی ۱۸ کتابیں اردو میں چھپ گئی ہیں جن کا کوئی تعلق گئودان کے مصنف پریم چند سے نہیں ہے۔

جناب منمتھ گپت نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ طبقاتی کشمکش پر مبنی کہانی پریم چند نے ۱۹۰۱ء میں لکھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریم چند نے کسانوں اور زمینداروں کی جنگ کا موضوع گاندھی واد کے اثر کے طور پر نہیں اپنایا تھا بلکہ دیہاتی زندگی میں غربت اور عوام سے محبت نے ان کی رہنمائی کی تھی اس اعتبار سے پریم چند کو گاندھیائی ادیب کہنا شاید زیادہ صحیح نہ ہوگا۔ آخر میں ڈاکٹر محمد حسن نے صدر محترم مقالہ نگار اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

(قاضی سید ظہیر الحسن سکریٹری شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی دہلی ۷)

امروہہ میں حامیان اردو کا جلسہ

امروہہ۔ ٹاؤن ہال میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنائے جانے کے سلسلے میں منعقد کیا گیا جس میں شہر کی اردو کی ادبی اور علمی انجمنوں اور اردو دوست حضرات نے بہت بڑی تعداد میں شرکت فرمائی۔ آغاز جلسہ میں کچھ نظمیں اور نظم اردو کے بارے میں پڑھے گئے۔ بعد میں کامریڈ شرافت رضوی ایم ایل اے اور دیگر حضرات نے تقریریں کیں۔ کامریڈ شرافت رضوی نے دوران تقریر میں یہ یقین دلایا کہ میں اتر پردیش سرکار کی تشکیل شدہ اردو کمیٹی کا ممبر ہونے کے ناطے کمیٹی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنائے جانے کی بات ضرور رکھوں گا۔ ورنہ اس کمیٹی میں بیٹھنے سے فائدہ کیا۔ اس بات پر جلسہ نے بہت خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ بعد کو سرفراز عثمانی صاحب نے صوبہ بھر میں چلنے والی اردو کی تحریک کی حمایت اور تائید اور تعاون کا وعدہ کیا اور کچھ عملی تجویزیں جلسہ کے سامنے رکھی گئیں جو فوراً منظور کر لی گئیں۔

(جاوید اقبال کنوینر اردو کمیٹی امروہہ)

مسلم لائبریری ججریا کا سالانہ انتخاب

ججریا۔ لائبریری کے نئے عہدیداران برائے ۶۸ء کے انتخاب کے سلسلہ میں ایک میٹنگ زیر صدارت مولانا داؤد علی صاحب ہوئی جس میں باتفاق رائے مندرجہ ذیل حضرات کے ذمہ لائبریری کی خدمات سپرد کی گئیں۔

صدر:۔ جناب قدیم خاں صاحب

نائب صدر:۔ جناب علاؤالدین صاحب فردوسی

جنرل سکریٹری و خازن:۔ محمد خلیل احمد صاحب

سکریٹری:۔ مختار احمد صاحب

ممبران مجلس منتظمہ:۔ محمد کلیم خاں صاحب، محبوب عالم صاحب مرادآبادی، ابرار احمد صاحب، تقتور ربانی صاحب، وقار عسکری صاحب، سردار سرجن سنگھ صاحب اور نذیر احمد صاحب نکیر۔

(مختار احمد سکریٹری مسلم لائبریری۔ ججریا)

اردو لائبریری کا قیام

گوپال گنج:۔ یہاں کے اردو دوست حضرات کی ساعی جمیلہ سے یہاں ایک اردو لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے لیے مندرجہ ذیل عہدیداران کا انتخاب ہوا۔

صدر:۔ جناب عبدالباری، نائب صدر:۔ حافظ عبدالرحمن

سکریٹری:۔ پروفیسر سید منظور نعمانی، نائب سکریٹری:۔ احسن رضا

ممبران:۔

حفیظ اللہ، نصیر الدین، امین الدین ایڈوکیٹ، شفیع الرحمن اور ظہیر الدین صاحبان۔

جگر میموریل اسکول کے لیے اپیل

گونڈہ:۔ پارلیمنٹ کے ممبر مولانا اسحاق سنبھلی نے جگر میموریل جونیر ہائی اسکول کے لیے اپیل کی ہے انھوں نے کہا ہے کہ ماہرین فن کی یادگار قائم کرنا اس کے فن اور شخصیت کو زندہ و جاوید رکھنے

کے لیے ضروری ہے۔

مرحوم کے محسن اور غزل کے استاد حضرت جگر مراد آبادی کی ان کے شایان شان یادگار ابھی تک تیار نہ ہوئی تھی۔ باشندگان گونڈہ قابل مبارک باد ہیں جنھوں نے ملک کی اس اہم کمی کو پورا کرنے کے لیے جگر میموریل جونیر ہائی اسکول قائم کیا ہے ان کے یہ عزم اور اقدام قابل مبارک باد ہیں۔ جگر کے قدر دانوں اور اردو کے فدائیوں کے لیے یہ یادگار باعث کشش اور اپنی محبت کو پورا کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ فن اور ادب کے قدر داں نیز حضرت جگر کے شیدائی اس یادگار کو مرحوم کے شایان شان بنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے اور دامے، درمے، قدمے، امداد فرما کر منتظمین کی حوصلہ افزائی کریں گے۔

(الجمعیۃ دہلی)

لسانی جھگڑے ختم کر کے دیسی زبانوں کو ترقی دی جائے

نئی دہلی۔ صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ زبان سے متعلق بے معنی جھگڑے ختم کر کے ملکی زبانوں کو ترقی دینے کے تعمیری کام کی طرف توجہ دیں ذاکر صاحب کتابوں کے دوسرے قومی میلے کا افتتاح کر رہے تھے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا کہ اگر ہم محنت اور انتھک کوشش و لگن سے کام کریں تو ہم اپنی زبانوں کو ترقی دے کر جدید اور ترقی پسند سماج کی ضرورتیں پورا کرنے کے قابل بنا سکتے ہیں۔ صدر جمہوریہ نے کہا کہ اگر ہم کوشش کریں گے تو ہماری زبانیں ٹیکنالوجی کی ضرورت کو پورا کر سکتی ہیں آپ نے اس بات پر زور دیا کہ عام آدمی کو کتابیں سستی قیمت پر ملنی چاہئیں صدر جمہوریہ نے بتایا کہ اگلے تیس برس میں ہندوستان میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد میں تیس کروڑ کا اضافہ ہو جائے گا۔

یہ میلہ پندرہ روز تک جاری رہے گا اس میں ایسی دس ہزار کتابیں رکھی گئی ہیں جو گزشتہ دو سال کے اندر چھپی ہیں جن میں سب سے زیادہ تعداد ہندی کتابوں کی ہے میلے کے دوران کئی سمپوزیم اور سیمینار بھی منعقد ہوں گے۔

(الجمعیۃ دہلی)

سرکاری زبان کا ترمیمی بل ترمیموں کے ساتھ منظور

نئی دہلی۔ لوک سبھا نے سرکاری زبان سے متعلق ترمیمی بل ۴۱ کے مقابلہ میں ۲۲۵ ووٹ سے پاس کر دیا۔

بل کے ساتھ جو ریزولیوشن پیش کیا گیا تھا اس کے ذریعہ ہندی کی زیادہ سریع ترقی اور یونین پبلک سروس کمیشن میں ذریعہ تعلیم و امتحان سے متعلق پالیسی کی وضاحت کی گئی ہے یہ بل آواز کے ووٹ سے منظور کر لیا گیا۔ بحث میں تقریباً ہر ممبر نے حصہ لیا ہندی کے حامی اور مخالف اس شدت کے ساتھ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ بل کو منظور کرانے کے لیے ہندی اور انگریزی کے انتہا پسند حامیوں کو کئی مراعات دینی پڑیں۔ ہندی والوں کو ایک رعایت یہ دی گئی کہ یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحان کے لیے ہندی یا انگریزی میں کسی کا علم ہی کافی ہوگا۔ جنوبی ہند والوں کو جناب چوہان نے یقین دلایا کہ آئندہ اکتوبر سے یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات میں علاقائی زبانوں کا استعمال بتدریج شروع کر دیا جائے گا۔ ۱۹۶۹ء تک تمام علاقائی زبانیں استعمال ہونے لگیں گی۔ (قومی آواز لکھنؤ)

بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کی کونسل کا جلسہ

پٹنہ:۔ جناب بیتاب صدیقی جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو نے تمام ممبران کونسل ریاستی انجمن ترقی اردو سے اپیل کی ہے کہ وہ اہمیت کے پیش نظر ۲۴ دسمبر کی میٹنگ میں جو ایک بجے دن میں انجمن اسلامیہ ہال میں ہوگی ضرور شریک ہوں۔ تمام ممبران کونسل کو دعوت نامے جاری کیے جا چکے ہیں۔ اگر کسی ممبر کو ڈاک کی گڑبڑی کی وجہ سے دعوت نامہ نہ مل سکے تو وہ اس اپیل کو دعوت نامہ تصور کریں اور میٹنگ میں ضرور شریک ہوں اردو تحریک کے جائزہ اور اگلے اقدام پر غور ہوگا۔ ریاستی انتخاب اور سالانہ اجلاس کا فیصلہ ہوگا اور صدر نیز خازن کے استعفوں پر غور ہوگا۔ اور دیگر امور بہ اجازت صدر زیر غور آئیں گے۔

اردو کی ترقی سے ہندی کی ترقی ہوگی

پٹنہ۔ بہار کے وزیر ٹرانسپورٹ نے سرکاری زبان کی حیثیت سے ہندی کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ آئین میں ہندی کے ساتھ دیگر تیرہ زبانوں کو بھی جگہ دی گئی ہے جس میں ایک اردو بھی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اگر اردو کی ترقی کی کوشش کی جائے تو اس سے ہندی کی ترقی اور مقبولیت میں کافی مدد ملے گی۔

انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کی مجلس عاملہ کی میٹنگ

دلی۔ آج یہاں پر انجمن ترقی اردو دلی اسٹیٹ کی مجلس عاملہ کی ایک میٹنگ ہوئی میٹنگ میں دلی میں اردو کے مسئلہ کا جائزہ لیا گیا اور طے پایا کہ انجمن کا ایک وفد مرکزی وزیر داخلہ جناب چوہان سے ملے، اس مسئلہ پر ضروری تفصیلات انجمن کی جنرل کونسل کی میٹنگ میں طے کی جائیں گی۔ علامہ کیفی صاحب کی تصنیف منشورات کی اشاعت کا مسئلہ زیر بحث آیا یہ کتاب جو کہ انجمن اپنے اہتمام میں شائع کر رہی ہے جنوری کے آخر تک منظر عام پر آجائے گی مجلس عاملہ نے یوم غالب کا پروگرام تیار کرنے کے سلسلے میں ایک کمیٹی بنا دی جس میں جنرل سکریٹری بیگم حمیدہ سلطان اور جوائنٹ سکریٹری بہار برنی کے علاوہ جناب ایک رام، جناب بھشور دیال، جناب گنبیر کشور ماتھر اور عبد اللطیف اعظمی شامل ہیں۔

تبصرہ

انصار اللہ نظر

فہرست مخطوطات اردو، مملوکہ رضا لائبریری، رامپور

جلد اول مذہبیات، معقولات، تاریخیات
مرتبہ:۔ امتیاز علی خاں عرشی،
مطبوعہ:۔ ہندوستان پرنٹنگ ورکس رامپور ۱۹۶۷ء

یہ کتاب بڑے سائز کے ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ شروع میں اٹھارہ صفحات پر فاضل مرتب کا لکھا ہوا مقدمہ ہے جس میں رضا لائبریری کی تاریخ بھی مجملاً شامل ہے۔ کتاب اچھے کاغذ پر نہایت عمدہ ٹائپ میں چھپی ہے، خوبصورت جلد ہے اس طرح ظاہری محاسن سے پورے طور پر آراستہ ہے۔

رضا لائبریری ہندوستان کے گنے چنے کتب خانوں میں سے ایک ہے اور اس کے لائبریرین مولانا امتیاز علی خاں عرشی کو بھی اردو کے محققین میں امتیازی درجہ حاصل ہے۔ ایسے کہنہ مشق محقق نے ایسے کتب خانہ کی فہرست تیار کی ہے چنانچہ اسے باطنی محاسن سے بھی امتیازی حد تک آراستہ ہونا ہی چاہیے تھا چنانچہ ہے۔ البتہ بعض باتیں ایسی ہیں جن کا یہاں پر ذکر مناسب ہے۔

۱۔ "ترجمہ مخزن نکات" کے متعلق یہ دو جملے ملتے ہیں:

"تیسرے طبقہ میں سے .... اگلا حصہ ضائع ہو گیا ہے" اور "خاتمے میں مقام لکھنؤ لکھا ہے"

یہ بات وضاحت طلب ہے کہ اگر نسخہ ناقص الآخر ہے تو خاتمہ کیوں کر موجود ہے؟

۲۔ بعض کتابوں کا تعارف کسی قدر تشنہ معلوم ہوتا ہے مثلاً مخطوطہ "گلشن ہند" کی بابت یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ مطبوعہ نسخے سے کچھ مختلف ہے یا نہیں؟

۳۔ کچھ کتابوں کے تعارف میں ان سے طولانی اقتباسات نقل کیے ہیں یہ سمجھ میں نہ آسکا کہ ان کی ضرورت کیونکر پیش آئی مثلاً کریم الدین کے "طبقات شعرائے ہند" سے تقریباً تین صفحات کے اقتباسات درج کیے ہیں یہ تذکرہ کمیاب ضرور تھا لیکن نایاب ہرگز نہیں تھا اور اب تو کا کوی صاحب نے اسے مرتب کر کے بالاقساط معاصر پٹنہ میں شائع کرنا بھی شروع کر دیا ہے دو تین طبقات تک چھپ چکے ہیں)، نسخہ رامپور کی بظاہر کچھ زیادہ اہمیت نہیں ہے کیونکہ یہ مطبوعہ کتاب سے نقل کرایا گیا ہے۔

اسی طرح علی لطف کے تذکرہ گلشن ہند کے سلسلے میں علی لطف کے حالات تذکرہ محبوب الزمن سے نقل کیے گئے، یہ تذکرہ بھی مطبوعہ ہے اور نایاب نہیں ہے۔ بظاہر اس قسم کے اقتباسات سے کتاب کی ضخامت بلا ضرورت ہو گئی ہے۔

بطور مجموعی یہ کتاب نہایت محنت و کاوش کے ساتھ مرتب کی گئی ہے اور آئندہ اس نوعیت کا کام کرنے والوں کے لیے نمونہ کا کام بھی دے گی۔ قابل مرتب بلاشبہ اس کے لیے مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ و پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔